© rasailojaraid.com

تدوینِ فقہ

(۵)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ان ہی دقیقہ سنجیوں اور نکتہ نوازیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک طرف پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آتا ہے کہ خاص راہ والی چیزوں کو جمع کر کے محفوظ کر دیا جائے، نبی کی ناسوتی صحبت سے محرومی کا حادثہ تازہ ہے، وہ چاہتے ہیں تو ان کی باتوں ہی سے دل بہلایا جائے، شدت جوش و ولولہ میں اٹھتے ہیں اور جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت خمسمائۃ حدیث (ج ۱ ص ۵)

میرے والد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جمع کیا اور یہ پانچسو حدیثوں کا مجموعہ تھا

گویا قریب قریب موطا مالک کی حدیثوں کی جو تعداد ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قلم سے حدیث کی یہ کتاب مدون فرما چکے تھے، آگے جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اگرچہ خود روایت میں اس کے سبب کو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ظاہر نہیں فرمایا، لیکن پیغمبر کا جو نقطۂ نظر حدیث کے اس صنف کے متعلق تھا۔ اگر اس کو سامنے رکھ لیا جائے تو بآسانی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اتنے عظیم کام کو جو قیامت تک باقی رہنے والا تھا، انجام دینے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال کیوں بدل گیا، اور اتنا بدل گیا کہ حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں۔

فباتت لیلۃ یتقلب کثیرا

رات کو جو سوئے تو کروٹوں پہ کروٹیں بدل رہے ہیں (میں نے اس حال میں ان کو دیکھا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتی ہیں۔

فغمنی — اس بات نے مجھے تشویش میں ڈال دیا۔

آخر ان سے نہ رہا گیا اور والد کو اپنے مخاطب کرکے عرض کرنے لگیں۔

انقلب لشکوی — آپ الٹ پلٹ کیوں ہو رہے ہیں، کیا کوئی تکلیف ہے

اولشئ بلغك — یا کوئی بات ایسی پہنچی ہے جو موجبِ تشویش ہو،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت کچھ جواب نہیں دیا، ان کو صرف صبح کا انتظار تھا فرماتی ہیں کہ ادھر صبح کی روشنی ہوئی دیکھا کہ مجھے پکار رہے ہیں اور فرماتے ہیں۔

ھلمی الاحادیث — حدیث کا جو مجموعہ میں نے جمع کیا ہے اور تمہارے

التی عندك — پاس ہے ابھی میرے پاس لاؤ۔

حکم کی تعمیل کی گئی، کتاب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ فرماتی ہیں۔

فدعا بنار فاحرقھا — آگ منگوائی اور اسے جلا دیا۔

کیوں جلا دیا؟ اس کی وجہ جیسا کہ ان کے آئندہ بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھی کہ یہ ایسی حدیثیں نہیں تھیں جنھیں پیغمبرؐ نے تبلیغِ عام کی راہ سے لوگوں کو پہنچائی ہوں، بلکہ خبر الخاصہ تھی اور اسی لئے ان کو خبر الخاصہ ہی کی شکل میں رکھا گیا تھا تاکہ آئندہ لوگوں میں یہ چیزیں اتنی اہمیت نہ حاصل کرلیں جو خبر العامہ عن العامہ کے مطالبات کی خصوصیت ہے، لیکن اس نکتہ کو کہ حدیث کی جو کتاب خلیفہ اول کے قلم سے لکھی ہوئی مسلمانوں تک جب منتقل ہوگی تو آئندہ اہمیت و عظمت، اعتماد و قطعیت کے کس مقام تک وہ پہنچ جائے گی، اگر رسول کا پہلا جانشین نہ محسوس کرسکتا تھا تو اور کون کرسکتا تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے حضرت کے یہ الفاظ

قال خشیت ان اموت — مجھے اندیشہ ہوا کہ میں مرگیا اور یہ کتاب میرے پاس رہی جس کا

وھی عندی فیکون — یہی مطلب ہے کہ اپنی وفات کے بعد آئندہ نسلوں پر

فیھا احادیث — جو اس کا اثر پڑنے والا تھا، اب اس کا خیال ان کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن رجل قد ائتمنته آیا) اور اس میں ایک آدمی کی روایتیں ہوں (جو دلیل ہے
ووثقت ولم یکن کہ خبر احاد کا مجموعہ تھا) اور یہ ایک آدمی ایسا ہو کہ میں نے
کما حدثنی فاکون اس پر بھروسہ کیا، لیکن بات وہ نہ ہو جو اس نے بیان
قد نقلت ذالک۔ کی اور میں نے اسے نقل کر دیا۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں بظاہر اس کا مطلب وہی ہے کہ ایک دو آدمی تک اسی سلئے ایسی حدیثیں پہنچائی گئی تھیں تاکہ ان میں قطعیت کا وہ رنگ پیدا نہ ہو، جو دینی مطالبات کی خصوصیت ہے کہ شک وشبہ کی ان میں گنجائش ہی نہیں ہوئی۔ لیکن صحیفہ صدیقی میں داخل ہو جانے کے بعد یہی کیفیت ان میں پیدا ہو جائے گی اسی لئے آگے آپ نے فرمایا۔

ھذا لا یصح۔ اور ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔

کہ جو پیغمبر کا منشاء مبارک ہے وہی غائب ہو جاتا ہے، اگر یہ مطلب نہیں ہے تو کیا العیاذ باللہ صحابہ کی عدالت پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بدگمانی ہو سکتی تھی، بلکہ بات وہی ہے کہ ایک دو آدمی کی خبر میں ظاہر ہے کہ قطعیت کا رنگ قدرتاً نہیں پیدا ہوتا، اوران کے اس طرزِ عمل سے اسی رنگ کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ ورنہ شک وشبہ کی صرف گنجائش کی وجہ سے انھوں نے اس مجموعہ کو اگر ضائع فرما دیا تو سوال پیغمبری کے متعلق پیدا ہوتا ہے کہ بجائے عام تبلیغ کے خبر الخاصہ کا طریقہ اختیار کر کے شک وشبہ کی گنجائش کیوں پیدا کی، آخر جس پیغمبر نے قرآن اور قرآن کے مجمل مطالبات کے ان تفصیلات وعملی تشکیلات کو جن کی تعمیل واجب تھی عام تبلیغ کے ذریعہ سے قطعی بنا دیا وہی کیا اس کا بندوبست نہیں کر سکتے تھے کہ خبر احاد کی راہوں سے روایت ہونے والی حدیثوں میں بھی وہی رنگ پیدا ہو جاتا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ عہدِ صدیقی کے بعد جب عہدِ فاروقی میں ان ہی حدیثوں کو پھر کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا ارادہ کیا گیا جیسا کہ بیہقی کی مدخل سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ

اراد ان یکتب السنن فاستشار حضرت عمرؓ نے چاہا کہ السنن یعنی وہی خبر الخاصہ

© rasailojaraid.com

فی ذلک اصحاب رسول اللہ	عن الخاصہ کو لکھیں تب آپ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فاشاروا علیہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے مشورہ
ان یکتبہا۔	فرمایا۔ ان بزرگوں نے یہی مشورہ دیا کہ لکھا جائے۔

مگر دوسروں پر اس مسئلہ کی اہمیت اتنی کیسے روشن ہوسکتی ہے جتنی اسلام کے فاروقِ اعظمؓ کی دوررس نگاہ اسے پاسکتی تھی، اولاً تو مسئلہ کی اہمیت کا تقاضا ہی تھا جو استشارہ کیا گیا، ورنہ پیغمبر کی حدیثوں کا جمع کرنا اور وہ بھی صحابہؓ کے لئے جو شمع محمدی کی ہر کرن کے پروانے تھے، کیا کوئی مشورہ طلب بات ہوسکتی تھی؟ بہر حال استشارہ پر عمر فاروقؓ کے دل کو اطمینان نہ ہوا، ان کا ضمیر محسوس کر رہا تھا کہ پیغمبر کی منشا نہیں غالباً اس سے کچھ ترمیم ہوتی ہے، لیکن جن اقوال و اعمال سے ان بزرگوں کو زندگی ملی تھی، دکھ ہوتا تھا کہ اگر قیدِ کتابت میں ان کو لایا گیا تو ان کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے، یہی دوگونہ کشمکش تھی جس نے بالآخران کو اس عمل کی طرف متوجہ کیا جو اس قسم کے متخالف پہلو رکھنے والے مسائل میں فیصلہ تک پہنچنے اور دل کو مطمئن کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا، یعنی استشارہ کے بعد حضرت عمرؓ نے استخارہ کی راہ اختیار کی اور کیسا استخارہ ایک دن دو دن کا نہیں، اسی کتاب میں ہے،

فطفق عمر یستخیر فیہا شہرا	کامل ایک مہینہ تک حضرت عمرؓ استخارہ فرماتے رہے۔

کیسی سخت کشمکش کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اندر پا رہے تھے، جب کامل ایک مہینہ مسلسل دعا کرنے میں گذر گیا، تب دل میں جس پہلو کے متعلق انھوں نے آخری فیصلے کو پایا اس کا اعلان جن لفظوں میں آپ نے کیا ہے میں بجنسہٖ اسی کو نقل کرتا ہوں، اسی کتاب میں ہے۔

فاصبح یوما وقد عزم اللہ لہ	تو ایک دن جب صبح ہوئی اور حق تعالیٰ ان کے اندر
فقال انی کنت اردت ان	عزم کو پختہ فرما چکے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے
اکتب السنن وانی ذکرت	چاہا تھا کہ "السنن" کو لکھوں تو مجھے یاد پڑے وہ لوگ

© rasailojaraid.com

قوماً کانوا قبلکم کتبوا کتبا	جو تم سے پہلے تھے انھوں نے کتابیں لکھیں اور ان ہی
فاکبوا علیھا وترکوا کتاب اللہ	پر ٹوٹ پڑے اور اللہ کی کتاب کو انھوں نے چھوڑ دیا
وانی واللہ لا البس کتاب اللہ	قسم ہے اللہ کی میں اللہ کی کتاب کو کسی دوسری
بشیٔ [1]	چیز کے ساتھ گڈ مڈ ہونے نہ دوں گا۔

لیکن یہ بات کہ

واللہ لا البس کتاب اللہ	خدا کی قسم اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی چیز کو
بشیٔ۔	گڈ مڈ ہونے نہ دوں گا۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خیال فرماتے تھے کہ دنیا جہان میں تا بقیام قیامت جو مسلمان بھی جو کتاب لکھے گا وہ قرآن کے برابر ہو کر اسی قدر اہمیت حاصل کرے گی، ظاہر ہے کہ ایسی بات جو خلافِ واقعہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صائب رائے رکھنے والے آدمی کیسے سوچ سکتے تھے، کرورہا کرور کتابیں مسلمان اب تک لکھ چکے ہیں، جن میں سینکڑوں کتابیں وہی ہیں جن کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف حدیثیں جمع کی گئی ہیں، لیکن آج تک کسی مسلمان کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ مغالطہ نہیں ہوا کہ حدیثوں ہی کا مجموعہ کیوں نہ ہو حتیٰ کہ بخاری تک کو قرآن کی قطعیت واہمیت سے مسلمانوں کے نزدیک کوئی نسبت نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ خطرہ حضرت عمرؓ کے سامنے بھی وہی تھا، جس کا احساس حضرت ابوبکرؓ کو کتاب جمع کرنے کے بعد ہوا۔ یعنی آنحضرت کے بعد حکومت وخلافت کی جانب سے خلفاءِ رسول حدیث کی جو کتاب جمع کر کے مسلمانوں میں چھوڑ جائیں گے، قدرتاً جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا کتاب کی اہمیت بڑھتی چلی جائے گی۔ خلیفۂ اول یا خلیفۂ ثانی کی لکھی ہوئی کتاب آج حدیثوں کی اگر موجود ہوتی تب اندازہ ہوتا کہ مسلمانوں کا شغف اس کے ساتھ کس حد تک پہنچ کر رہا ہے یہ دراصل اجتماعی نفسیات کا ایک دقیق ترین مسئلہ ہے اور اس پر وہی متنبہ ہو سکتا ہے، جسے

---

[1] ماخوذ از مقدمہ شرح صحیح مسلم للاستاذ الامام مولانا شبیر احمد عثمانی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہزار ہا ہزار سال بعد پیش آنے والے خطرات کا احساس پیش آنے سے پہلے ہو جائے اور سچ پوچھئے تو فتنۂ انکار حدیث کے پنساری، ہلدی کی چند سڑی گانٹھوں کو لیکر اپنی دکان جمانے کی فکر میں آج ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے ہیں اگر وہ انصاف کرتے تو ان روایتوں سے جو زیادہ تر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہیں، وہی بات سمجھ میں آتی جو سلفاً عن خلفٍ مسلمان سمجھتے چلے آرہے ہیں۔

میرا اشارہ ان چند روایتوں کی طرف ہے جو اسی قسم کی آحاد خبروں کی روایت کے متعلق کتابوں میں پائی جاتی ہیں مثلاً الشعبی کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قرظہ بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

لما سیرنا عمر الی العراق	حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو جب عراق (کوفہ) کی طرف
مشی معنا وقال اتدرون	روانہ کیا تو ہمارے ساتھ تھوڑی دور تک آئے پھر
لم شیعتکم قالو نعم مکرمۃ	فرمایا میں تم لوگوں کو رخصت کرنے کیوں آیا؟ ہم نے کہا
لنا قال ومع ذلك انکم	کہ ہماری عزت افزائی کے لئے آپ نے یہ کیا ہے، بولے
تاتون اھل قریۃ لھم	ہاں یہ بھی، لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ
دوی بالقرآن کدوی	تم لوگ ایک ایسی آبادی میں پہنچوگے جہاں کے باشندوں
النحل فلا تصدوھم	میں تلاوتِ قرآن اس طریقہ سے مروج ہے، جیسے
بالاحادیث	شہد کی مکھی بھنبھناتی ہو، تو ان لوگوں کو حدیثوں کے
فتشغلوھم،	ذریعہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم الجھاؤ۔
جودوا القرآن واقلوا الروایۃ	قرآن کو خوب اچھی طرح سے مستحکم اور استوار کرو اور
عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کیا کرو
وسلم وانا شریککم [1]	اور میں تمہارا شریک ہوں۔

---

[1] ذہبی ص، وابن سعد وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی قوت کے ساتھ انکارِ حدیث کے حلقوں میں اس روایت کا چرچا کیا جاتا ہے، میں نے جب کبھی ان سے یہ سنا تو ان کی ذہنیت پر ہمیشہ تعجب ہوا کہ روایتوں کے اعتماد کو یہ لوگ ایک روایت ہی پر اعتماد کر کے کھونا چاہتے ہیں آخر یہ بھی تو روایت ہی ہے، بندگانِ خدا یہ نہیں سوچتے کہ جب روایت سے اعتماد نہیں پیدا ہوتا تو پھر اس روایت پر وہ کس بنیاد پر بھروسہ کرتے ہیں، حال یہ ہے کہ خود یہ روایت منقطع ہے یعنی شعبی نے براہِ راست قرظہ سے اسے نہیں سنا ہے۔ ابنِ حزم نے لکھا ہے۔

انہ لم یلق قرظۃ قط (الاحکام ص ۱۳۹) قرظہ سے شعبی نے کبھی ملاقات نہیں کی۔

جس کا یہی مطلب ہوا کہ شعبی اور قرظہ کے درمیان کوئی اور آدمی بھی ہے، جس کا حال تو حال نام بھی معلوم نہیں اسی لئے ابنِ حزم نے دعویٰ کیا ہے کہ

فسقط الخبر خبر پایۂ اعتبار سے گر گئی۔

اب ان مسکینوں کو خود سوچنا چاہئے کہ ایسی روایت جس کا ایک درمیانی راوی لاپتہ ہے آخر یہ کونسی منطق ہے کہ اسی روایت سے آپ روایتوں کے اس سارے مجموعہ کو بے اعتبار ٹھہرانا چاہتے ہیں، جس کی ایک بڑی مقدار کے روایت کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے تقویٰ، دیانت، عدل و ضبط پر بھروسہ کیا گیا، اور بغیر کسی انقطاع کے مسلسل ایک نے دوسرے تک اسے پہنچایا ہے، یعنی صحاح کی عام حدیثوں کا جو حال ہے۔

اور ابنِ حزم بیچارے کی اس جرح سے قطع نظر بھی اگر کر لیا جائے تو سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کب فرمایا ہے کہ حدیثوں پر اعتبار نہ کرو، حضرت کا ارشاد جو کچھ بھی ہے وہ صرف یہی ہے کہ

اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں کم روایت کیا کرو۔

اگر حدیث اسی قدر نا قابلِ اعتبار بات ہوتی جو منکرینِ حدیث کا خیال ہے تو کم کیا معنی حکم دینا چاہئے تھا کہ قطعاً نہ روایت کیا کرو، بلکہ اس سے تو حدیثوں کی روایت کرنے کی اجازت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثابت ہوتی ہے، البتہ ذرا اس کا خیال کرتے ہوئے کہ کثرتِ روایت سے ان میں وہ کیفیت نہ پیدا ہو جائے جسے قصداً چاہا جاتا تھا کہ نہ پیدا ہو، حضرت عمر جانتے تھے کہ نبوت سے قریب ترین عہد میں کثرتِ روایت کی وجہ سے ان میں عمومیت کی کیفیت اگر آج ہی پیدا کر دی گئی تو آئندہ ان مطالبات میں بھی وہی شدت پیدا ہو جائے گی جو تبلیغِ عام کی راہ سے مسلمانوں تک پہنچائے گئے ہیں۔ بجنسہٖ وہی اندیشہ جو خلافت کی طرف سے تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو ہوا تھا۔ عہدِ صحابہ میں کثرتِ روایت پر وہ خیال کرتے تھے کہ ممکن ہے وہی اثر مرتب ہو، ورنہ بجائے کم کرنے کے قطعاً روایت کرنے سے چاہتے تھا کہ لوگوں کو روک دیتے، ان کے متعلق اور بھی چند روایتیں اسی نوعیت کی پائی جاتی ہیں مثلاً حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے۔

لو کنت احدث فی زمان عمر — اگر میں عمرؓ کے زمانہ میں اس طریقہ سے حدیث
مثل ما احدث ثکم لضرنی — بیان کیا کرتا جیسے اب کرتا ہوں تو مجھے اپنے
بمخفقتہ — تازیانے سے عمرؓ مارتے۔

حضرت ابوہریرہؓ جس وقت اس روایت کو بیان کر رہے تھے، عہدِ صحابہ قریب قریب انقراض کے حدود تک پہنچ چکا تھا جیسے جیسے عہدِ نبوت سے بُعد ہوتا جاتا تھا، کثرتِ روایت کے مطالبہ میں جس شدت کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا وہ بتدریج کم ہوتا چلا جاتا تھا اس لئے روایتوں کے احتیاط کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی تھی کہ صحابہ تک پہنچتے پہنچتے بہ مشکل اس قسم کی چیزوں کی روایت ایک دو آدمی سے زیادہ متجاوز ہوتی تھی، اور یوں احادیث کے جس رنگ کو اُن میں قصداً پیدا کیا گیا تھا وہ باقی رہ جاتا تھا۔ اسی کی طرف ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ قربِ نبوت کے اس زمانہ میں اس کی بڑی نگرانی کی جاتی تھی کہ صحابی کی زیادہ تعداد اس قسم کی حدیثوں کی راوی نہ بن جائے[1]۔ اور وہ جو ذہبی نے حضرت عمرؓ ہی کے متعلق یہ روایت درج کی ہے۔

---

[1] ورنہ پھر ماننا پڑے گا کہ حضرت عمرؓ کا اصرار ہی بیجا اور غلط تھا یا ابوہریرہؓ ان کی وفات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان عمر حبس ثلاثۃ ابن مسعود و	حضرت عمرؓ نے تین آدمیوں کو ایک دفعہ محبوس
ابا الدرداء وابا مسعود الانصاری	فرمایا یعنی ابن مسعود اور ابو درداء اور ابو مسعود
فقال قد اکثرتم الحدیث عن	انصاری کو اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کی حدیثوں کو تم لوگ بکثرت بیان کرنے لگے

اگرچہ ابن حزم نے مختلف وجوہ و اسباب کو پیش کرتے ہوئے اس اثر کے متعلق دعویٰ کیا ہے۔

ھو فی نفسہ ظاہر الکذب	یہ بذاتِ خود کھلا ہوا جھوٹ اور دماغ کی
والتولید (الاحکام ص ۱۳۸)	پیدا کی ہوئی بات ہے۔

انشاء اللہ تدوینِ حدیث والی کتاب میں ان تفصیلات کا تذکرہ کیا جائیگا، سرِدست فقہ سے مضمون سے جس حد تک ان روایتوں کا تعلق ہے صرف حضرت عمرؓ کے الفاظ

قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان
صلی اللہ علیہ وسلم۔	کرنے میں تم لوگوں نے کثرت سے کام لیا۔

کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، منشا آپ کا کھلا ہوا ان الفاظ سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جن روایتوں کو خبر الخاصہ عن الخاصہ سے مسلمانوں میں پیغمبر پہنچانا چاہتے تھے وہ خبر العامہ عن العامہ کی شکل اختیار کرلیں گے، یعنی اگر صحابہ ہی میں بکثرت روایت کرنے والے ان حدیثوں کے پیدا ہو جائیں گے تو نوبت جن مطالبات میں خفت پیدا کرنا چاہتی ہے ان میں اسی قسم کی شدت آئندہ چل کر پیدا ہو جائے گی، جیسے صرف قرآنی مطالبات اور ان کے ان تفصیلات و عملی تشکیلات تک قصداً محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جن کی تعمیل عام حالات میں ہر مسلمان کے لئے ناگزیر اور ضروری ہے۔

روایتِ بالمعنی کی اجازت کی وجہ

بلکہ قصداً اسی فرق کو پیدا کرنے ہی کی ایک تدبیر وہ ہے جسے روایت بالمعنی کی اجازت کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ معنی کے ساتھ بجنسہ الفاظ کی حفاظت قرآن کے متعلق جہاں مسلمانوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے، وہیں ان حدیثوں کے متعلق جو خبر الخاصہ یا خبر احاد کی راہ سے مروی ہیں بالاتفاق تمام ائمہ اسلام کا ان کے متعلق یہ فتویٰ ہے کہ معانی کو محفوظ کرتے ہوئے اگر لفظوں میں کچھ ردوبدل ہو جائے تو مضائقہ نہیں یعنی روایت بالمعنی کی ان میں اجازت ہے جیسا کہ کتابوں میں لکھتے ہیں کہ

فقد جوزہ الشافعی وابو حنیفۃ و مالک واحمد والحسن البصری واکثر الفقہاء ۔ سلہ	پس جائز رکھا ہے اس کو یعنی روایت بالمعنی کو امام شافعیؒ وابو حنیفہؒ و مالکؒ و احمدؒ و حسن بصری نے اور اکثر فقہاء اسلام نے ۔

گویا یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قسمیہ قول یعنی

وانی واللہ لا البس کتاب اللہ بشئی ابدا ۔	اور میں قسم ہے خدا کی اللہ کی کتاب کو کسی چیز سے گڈمڈ نہ ہونے دوں گا ۔

کی تکمیل کی ایک شکل ہے کہ جہاں معنی کے ساتھ قرآن کے بجنسہ الفاظ کی حفاظت کی ضرورت ہے وہیں آحاد خبروں میں ضرورت کے اس معیار کو قصداً ذرا ہلکا کر دیا گیا۔

لیکن اس کے کیا یہ معنی ہیں، کہ کسی قسم کی حدیث ہو بغیر کسی انقطاع کے مسلسل ثقات نے ثقات سے بسند متصل اسے روایت کیا ہو، لیکن محض اس لئے کہ روایت بالمعنی کا اس میں احتمال ہے، اس لئے ہر قسم کے اعتماد سے وہ محروم ہو گئی ۔

خبر احاد پر اعتماد کرنے کے وجوہ

پہلی بات تو یہی ہے کہ اجازت کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ ہر حدیث میں الفاظ بدل ہی دیئے گئے ہیں، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ایسی حدیثیں جن کا تعلق ادعیہ واوراد سے ہے عموماً ان میں معانی کے ساتھ الفاظ کے محفوظ رکھنے کی بھی کوشش اس لئے کی گئی ہے کہ بالخاصیت سمجھا جاتا ہے کہ ان الفاظ میں بھی خاص اثر و کیفیت ہے، ماسوا اس کے محدثین نے "اعتبار" کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے یعنی ایک ہی حدیث مختلف طریقوں سے

سلہ مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم للاستاذ العثمانی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر مروی ہوئی ہے اور پچھلے زمانہ میں کثرت طرق کے پیدا کرنے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ جیسے جیسے عہدِ نبوت سے زمانہ کو بعد ہوتا گیا، التباس بالقرآن کا خطرہ بھی اسی نسبت سے کم ہوتا گیا۔ اس وقت کثرتِ طرق میں بزرگوں نے بجائے نقصان کے محسوس کیا کہ آثارِ نبوت کی حفاظت میں مدد ملے گی۔

بہرحال جن جن طریقوں سے وہ حدیث مروی ہوئی ہے ان سب کو جمع کرکے باہم مقابلہ کے ذریعہ سے بآسانی اس کا پتہ چلتا ہے کہ پچھلے راویوں نے کس حد تک الفاظ میں ردوبدل کیا ہے، یعنی تمام طریقوں میں جو الفاظ مشترک ہوتے ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے، البتہ جہاں مقصد کی وحدت کے ساتھ الفاظ بدل گئے ہیں اس کو روایت بالمعنی کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے اور یہ عام عقلی دستور ہے ایک ہی بات کو چند آدمی اگر اس طور پر بیان کریں کہ سب کے الفاظ ایک ہوں تو ایسی صورت میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ بیان کرنے والوں نے الفاظ کو بھی باقی رکھنے کی کوشش کی ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی مقصد کی تعبیر میں اتفاقاً ہر بیان کرنے والے کے الفاظ ایک ہی ہوں۔

بہرحال شواہد و توابع کے ذریعہ سے طریقۂ اعتبار کو کام میں لاکر جب کبھی تجربہ کیا گیا ہے اور جس کا جی چاہے اب بھی تجربہ کرسکتا ہے تو یہی نظر آتا ہے کہ معانی ہی نہیں بلکہ الفاظ بھی بڑی حد تک ان حدیثوں میں محفوظ ہیں، اگرچہ ہر حدیث کے متعلق نہ ایسا ہوا ہے نہ اس کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور جیسا کہ آپ سن چکے کہ نہ اس کا ارادہ کیا گیا ہے، لیکن کیا محض اس لئے کہ اصل مقصد کو محفوظ کرتے ہوئے بیان کرنے والے اگر اسی مقصد کو سنے ہوئے الفاظ میں نہیں بلکہ اپنے الفاظ میں ادا کریں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ان روایتوں پر اعتماد کے سارے دروازے بند ہوگئے، اگر یہی کلیہ بنایا جائے گا تو آج دنیا میں علوم معارف کی نشر و اشاعت کا ایک بڑا اہم ذریعہ جو ترجمہ ہے، ایک لمحہ کے لئے بھی افادہ کا پہلو اس میں کیا باقی رہ سکتا ہے؟ آخر ترجمہ میں کیا ہوتا ہے؟ یہی نا کہ ان ہی مقاصد و معنی کو جو دوسری زبان کی تعبیر میں ادا کئے گئے تھے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مترجم اپنی زبان کے الفاظ میں انھیں ادا کرتا ہے، لیکن لفظوں کے بدل جانے سے اگر معنی بھی ہمیشہ بدل ہی جاتا ہے تو آپ ہی بتائیے کہ ترجمہ کے جواز کی راہ کیا باقی رہ سکتی ہے؟ اور تو اور میں پوچھتا ہوں کہ قرآن مجید میں مختلف اقوام اور ممالک کے باشندوں کے اقوال درج ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب کی زبان عربی تو تھی نہیں، یقیناً ترجمہ ہی کر کے ان کے اقوال قرآن میں شریک کئے گئے ہیں، یعنی الفاظ بدل دیئے گئے ہیں۔ پھر جو لوگ حدیثوں کا انکار محض روایت بالمعنی کو عذر بنا کر کرنا چاہتے ہیں وہ قرآن کی ان تمام روایتوں کو العیاذ باللہ کیا ناقابلِ اعتبار قرار دینے کی جرأت کریں گے؟

واقعہ یہ ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "رسالہ" میں فرمایا ہے کہ دنیا کے اکثر کاروبار کا دارومدار روایت بالمعنی ہی کے فطری اعتماد پر قائم ہے، اور دنیا ہی نہیں، انھوں نے پوچھا ہے کہ پیغمبر جب کسی کو عامل بنا کر قبائل کے پاس بھیجتے تھے، اور قبائل کے نام ان ہی عاملوں کے ذریعہ سے مختلف پیغام جو بھیجے جاتے تھے تو کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ کسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نمایندوں کو اس بنیاد پر واپس کر دیا ہو کہ تم ایک واحد آدمی ہو اور واحد آدمی کی خبروں کا کیا اعتبار، وہ فرماتے ہیں کہ آج تک سننے میں نہیں آیا کہ آنحضرت صلعم کے ان عاملوں کو کسی نے یہ کہا ہو کہ

انت واحد ولیس لك ان تاخذ	تم اکیلے ایک آدمی ہو تم کو کوئی حق نہیں ہے کہ ہم
منا مالم نسمع عن رسول اللہ	سے کچھ لو، جب تک براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ	علیہ وسلم سے ہم نہ سن لیں کہ آپ نے فلاں چیز
بعثکم علینا۔ (رسالہ ص ۱۱۰)	(مثلاً زکوٰۃ عشر) کا مطالبہ کیا ہے۔

اور سچی بات یہی ہے کہ دفتر کا کوئی افسر اپنے چپراسی کے ہاتھ کسی ماتحت کلرک کو اگر کہلا بھیجے، مثلاً یہی کہ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں، اگر کلرک اس کے جواب میں کہے کہ تمہاری خبر چونکہ واحد ہے اور خبرِ واحد میں روایت بالمعنی کا چونکہ احتمال ہے اس لئے میں حکم کی تعمیل نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کروں گا۔ بتائیے کہ ان موشگافیوں کو جنون کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے، میں نے جیسا کہ ابھی کہا کہ انکارِ حدیث والے بیچارے جب حضرت عمرؓ کی ان چند مشتبہ متکلم فیہا روایتوں سے عام حدیثوں کے افادہ کا انکار کرتے ہیں۔ تو ان کا یہی انکار صحیح ہو چکے تو افادۂ حدیث کا اقرار بن جاتا ہے لیکن اس طور پر کہ اس اقرار کا ان کو شعور بھی نہیں ہوتا۔ اور یہی دلیل ہے اس بات کی کہ خبر الخاصہ عن الخاصہ کے متعلق جس قسم کا اعتماد مطلوب ہے۔ اعتماد کی اس کیفیت پر انسانی فطرت مجبول و مضطر ہے، آخر یہ تو کسی کا بھی مقصد نہیں کہ خبر احاد والی روایتوں کو اعتماد و یقین کا وہی لازوال حصہ دیا جائے جو ہر مومن کو قرآن اور ان چیزوں کے متعلق اپنے اندر پانا چاہئے جو مسلمانوں میں اسی راہ سے منتقل ہوتی ہوئی پہنچی ہیں جس راہ سے قرآن پہنچا ہے، بار بار مختلف طریقوں سے یہ بات گزر چکی کہ مطالبہ کی شدت کو قصداً کم کرنے اور ہم جیسے عام کاہل الوجودوں کے لئے گنجائش پیدا کرنے کے لئے ابتدا ہی سے اس کی پوری نگرانی پیغمبر اور ان کے جانشینوں نے بڑی طاقت سے کی کہ ان میں اعتماد کی وہ کیفیت نہ پیدا ہونے پائے، جس کے بعد ان سے تجاوز مسلمانوں کے لئے وبال الدنیا والآخرہ کا سبب بن جاتا ہے، لیکن مسلمانوں کا جو طبقہ پیغمبرؐ کے ہر نقش قدم پر مرمٹنا، شمعِ محمدی کی چھوٹی سے چھوٹی کرن کا اپنی زندگی میں جذب کرنا اپنے وجود کا واحد نصب العین بنانے والا تھا اور بحمد اللہ تا بقیامِ قیامت تعداد کی کمی بیشی کے ساتھ ایسوں کی نہ پہلے کمی تھی اور مغلوبیت و اسر و تعبد کے اس دور میں بھی ان کا بالکلیہ فقدان نہیں ہوا ہے ان کے لئے بھی خبر الخاصہ عن الخاصہ کی راہ کھلی رکھی گئی، محدثین کرام نے ان ہی کے سمیٹنے اور تلاش کرنے میں جیسا کہ سب جانتے ہیں اپنی جانیں لڑا دیں، وہ اولوالعزمیاں دکھائیں جس کی نظیر نہ ان سے پہلے دنیا کی کوئی قوم اپنے اپنے پیغمبروں کے متعلق پیش کر سکی ہے اور نہ ان کے بعد اپنے لیڈروں، اور آمروں یا پیشواؤں کے ساتھ ان کے ماننے والوں نے

لہ آخر حضرت عمرؓ کی طرف یہ منسوبہ روایتیں خبر احاد کے سوا اور کیا ہیں اور وہ بھی کیسی خبر احاد، تنقید روایات کے معیار پر ان کا صحیح ثابت نہ ہونا صرف مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس فقید المثال دلچسپی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اور جو حال ان کا تھا، یہی کیفیت فقہائے اسلام کی ہے، یہ جانتے ہوئے کہ خبر الخاصہ کی راہ سے آنے والی چیزوں کا تارک یقیناً اس مواخذہ سے بری ہے جس کا خطرہ فرائض وواجبات کے ترک کرنے والوں کے سامنے ہے، بلکہ ان کا ترک عموماً ایسی چیزوں کا چھوڑنا ہے جن کا کرنا نہ کرنے سے اور تعمیل عدم تعمیل سے افضل اور بہتر ہے مگران ہی لوگوں کے لئے جن کے متعلق گذر چکا کہ موجودہ زندگی کی قیمت جس حد تک بڑھ سکتی ہے بڑھانے میں کمی نہ کی جائے، ان کی راہنمائی کے لئے روایتوں کے اس مجموعہ کو پیش نظر رکھکر ممکنہ حد تک ائمہ فقہ نے اس کی جان توڑ بلیغ سعی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا کہ قرائن وقیاسات اور جس ذریعہ سے ممکن ہو ان کی بہتر سے بہتر شکلوں کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے اور جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا۔ بحمد اللہ اس باب میں ان کی سعی مشکور ہوئی۔

ان کے مساعی کا وہ ذخیرہ جوان روایات کی ترجیح وتوفیق وتطبیق کی کوششوں سے جمع ہوگیا ہے، ایک ایسے عجیب وغریب قیمتی سرمایہ کی شکل اختیار کرچکا ہے کہ اقوام عالم کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ ان پر ناز اور بجا ناز کرسکتی ہے، آج یہی ایک قوم زمین کے اس کرہ پر آباد ہے جس نے اپنے پیغمبر کی نہ صرف دی ہوئی کتاب، اور کتاب کے ضروری تفصیلات کی ہی حفاظت میں غیر معمولی اولوالعزمی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے بلکہ پیغمبر کی زندگی کے ایک ایک گوشہ اور ہر گوشہ کے ہر پہلو کو، اِن کو بھی جو پیغمبر کی نگاہوں میں زیادہ وزنی تھے اور ان کو بھی جن کا اظہار محض بیانِ جواز کے لئے فرمایا گیا ہے۔ سب کو تمام تفصیلات کے ساتھ بغل میں دبائے اور سینے سے لگائے بیٹھی ہے۔ حوادث واتفاقات کے کن کن جھکولوں سے اسے گذرنا پڑا اور آج بھی گذر رہی ہے۔ اسی جرم میں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اس کی وارفتگیوں کا یہ حال کیوں ہے، مجرم ٹھہرانے والوں نے جو کچھ چاہا کیا، اور آج بھی کر رہے ہیں، رزق کے دروازے اس پر بند کئے گئے، عام انسانی بلکہ شاید ان حیوانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقوق سے بھی جن کی حقدار زمین کی غالباً ہر زندگی رکھنے والی ہستی ہے ان سے بھی محروم کرنے کی کوششیں کی گئیں ان کا مضحکہ اڑایا گیا، ان پر تالیاں پیٹی گئیں کہ دنیا کی قومیں تو ہوائی جہاز اور ریڈیو بنا رہی ہیں اور مسلمان اسی میں مصروف ہیں کہ نمازیں پیغمبرؐ آمین جو کہتے تھے تو وہ زور سے کہتے تھے یا آہستہ سے، رکوع سے اٹھنے کے وقت ہاتھ اٹھا کر کانوں تک لیجاتے تھے یا نہیں، رسالوں پر رسالے لکھے جا رہے ہیں، کتابوں پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں، استہزار کا کوئی طریقہ نہیں تھا جسے محمدؐ کے ان وفادار جاں باز غلاموں کے لئے باقی چھوڑا گیا ہو، طنز و طعن کا کوئی تیر باقی نہ رہا جس سے ان کے دل گھائل نہ کئے گئے ہوں، غیروں سے گذر کر اپنوں سے ان کی توہین کرائی گئی بر سر بازار و بر صحائف اخبار ان کو ذلیل و رسوا کیا گیا اور کیا جا رہا ہے لیکن دیوانوں کا ایک گروہ ہے، مجنونوں کی ایک ٹولی ہے۔

موجِ خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

کہتا ہوا اٹھتا ہے تو اسی نشہ کی مستی میں اٹھتا ہے اور گرتا ہے تو ان ہی قدموں پر گرتا ہے، اسی پہ جینا اور ان ہی قدموں پر لوٹ کر مر جانا، یہی اور صرف یہی ان کی زندگی کی قیمت ہے۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو ترا سعادت و بادا مرا نگوں ساری

کہتے ہوئے گذر رہا ہے اور انشاء اللہ گذرتا رہیگا۔ تا ایں کہ وصیت کرنے والے نے۔

حتی تلقانی علی الحوض (بخاری) یہاں تک کہ حوض پہنچ کر مجھ سے ملاقات کرو۔

کی جو وصیت فرمائی تھی وہ پوری ہو، اور جن کے لئے جی رہے ہیں، مرنے کے بعد وہی سامنے آجائیں۔ اس وقت کھلے گا کہ پیغمبر کی سنتوں اور عمل کرنے کے لئے ان کی پسندیدہ ترین شکلوں کی تلاش میں جنھیں دیکھا گیا کہ کھوئے گئے تھے وہ کتنا پا رہے ہیں اور ریسرچ کرنے والوں میں ایسے کتنے ہیں جو سمجھتے تھے کہ ہم نے بہت کچھ پایا ہے وہ کتنا کھو بیٹھے اور یہ توکل ہوگا، آج بھی

غدا القی الاحبہ + محمدا و حزبہ کل دوستوں سے میں ملونگا، محمدؐ سے اور ان کے گروہ سے

کا رجزی ترانہ ان کے دلوں کی قوت، روح کا نشاط بنا ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیر میں کیا کہنے لگا، کدھر نکل گیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ خبر الخاصہ والی حدیثوں کے متعلق پیغمبر اور پیغمبر کے جانشینوں نے جو حکیمانہ رویہ اختیار کیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف مطالبہ میں ان کے وہ زور نہ پیدا ہو سکا جس کے پیدا ہو جانے کا اس وقت خطرہ اور یقیناً خطرہ تھا، اگر اسی راہ سے امت میں یہ چیزیں بھی پھیل جاتیں۔ جس راہ سے قرآن پہنچا ہے، حالانکہ ساز و سامان کی اب کیا کمی تھی، ان حدیثوں کی تعداد ہی کیا تھی، جو مصر کے ایران کے شام کے عراق کے اور کیا بتاؤں کہ دنیا کے کس کس خطہ اور اس کی ساری پیداواروں کے مالک بنائے جا چکے تھے، خود ہی سوچنا چاہئے کہ وہ کیا کچھ نہ کر سکتے تھے مگر عہد صدیقی میں صرف قرآنی سورتیں جن کی حیثیت اب تک کسی مصنف کے الگ الگ تصنیف کردہ رسائل کی تھی، محض ان کو ایک تقطیع کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں سب کی شیرازہ بندی کرادی گئی اور اسی نسخہ کی نقلیں عہدِ عثمانی میں مسلمانوں کے اندر پھیلادی گئیں

تقریباً سو سال تک حکومت نے تدوین کے کام کو صرف قرآن کی حد تک محدود رکھا، اور جیسا کہ گذر چکا، نبوت سے جو زمانہ جتنا زیادہ قریب تھا، اسی حد تک زبانی بیان کرنے والوں کی بھی پوری نگرانی کی گئی، کہ ان کی روایتوں میں استفاضہ اور شیوعِ عام کا رنگ نہ پیدا ہو جائے، مگر بتا چکا ہوں کہ اس نگرانی و احتیاط کا تعلق صرف کثرتِ روایت تک محدود تھا، ورنہ مطلقاً روایت کرنے کی قطعاً کسی نے کسی زمانہ میں کبھی مخالفت نہیں کی، یہی حضرات یعنی خلیفہ اول اور خلیفہ دوم جن کے اقوال اور روایت حدیث کے متعلق ان کے طرزِ عمل کو تقریباً تیس چالیس سے منکرینِ حدیث پیش کر رہے ہیں، خود ان بزرگوں کا اپنا ذاتی حال یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنے کا بہت کم وقت ملا، حکومت کے مشاغل میں الجھے رہنے کے باوجود گنے والوں نے گنا ہے کہ

اسند عن رسول اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے
صلی اللہ علیہ وسلم من	سو حدیثیں انھوں نے روایت کی ہیں یہ تعداد صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المتون سوی الطرق	متون کی ہے، ورنہ طرق کے اعتبار سے اور زیادہ ہوجائیںگی
مائۃ حدیث بمراسیلہا	نیز اسی تعداد میں وہ مرسل حدیثیں بھی شریک ہیں، جو
۵ لہ	ان سے مروی ہیں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں کی تعداد جیسا کہ الاصبہانی وغیرہ کے حوالہ سے ابن جوزی نے نقل کیا ہے دو سو سے اوپر ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

اسند عن رسول اللہ صلی اللہ	طرق کے سوا متنوں کی حد تک حضرت عمرؓ نے رسول اللہ
علیہ وسلم من المتون سوی الطرق	صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے جو روایتیں
مائتی حدیث ونیفا ۵۲	بیان کی ہیں ان کی تعداد دو سو اور کچھ ہے۔

پھر اگر کثرتِ روایت نہیں بلکہ مطلقاً روایتِ حدیث کے یہ حضرات مخالف تھے تو سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ خود ہی اتنی حدیثیں وہ بیان کرسکتے تھے، پس واقعہ وہی ہے کہ وہ صرف اس بات کو روکنا چاہتے تھے کہ قربِ نبوت کے زمانہ میں ان حدیثوں کے متعلق کوئی ایسی صورت نہ پیدا ہوجائے جو آئندہ چل کر اس کیفیت کے پیدا ہوجانے کا سبب بن جائے جسے قصداً پیغمبر ان چیزوں میں پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے کثرتِ روایت سے بھی لوگوں کو ابتدا میں روکا گیا اور باوجود ارادہ کے حکومت کی جانب سے خبر الخاصہ والی حدیثوں کو لکھوا کر جمع کرانے کا خیال بھی خلافِ مصلحت قرار دیا گیا۔

ورنہ یوں، صرف روایت ہی نہیں بلکہ انفرادی طور پر کتنے صحابہ ہیں جنہوں نے منتشر طور پر اپنی حدیثوں کو لکھ بھی لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی نہیں، بخاری وغیرہ سے ثابت ہے کہ عہدِ نبوت ہی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے بعض صحابیوں نے چند حدیثیں نہیں بلکہ میں نے اپنی کتاب تدوین حدیث میں ثابت کیا ہے کہ کافی تعداد ہزاروں ہزار تک پہنچنے والی اسی قسم کی حدیثوں کی لکھ کر وہ جمع کرچکے تھے، لیکن

لہ تلقیح ابن جوزی ص ۱۸۵ - ۵۲ ص ۸۴ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے کہ یہ سب جو کچھ تھا، اس کی حیثیت انفرادی کام کی تھی، اور انفرادی کام خواہ بیان کی شکل میں ہو یا کتابت کی صورت میں بہر حال وہ انفرادی ہی کام ہے، اس اہمیت و کیفیت زور و قوت کے پیدا ہونے کا خطرہ اس کے متعلق کبھی پیدا نہیں ہو سکتا، جو عہدِ نبوت اور اس کے قریب ترین زمانوں میں استفاضہ و شیوعِ عام کی وجہ سے یا حکومت کی جانب سے ان حدیثوں کے مدون کرانے کی وجہ سے پیدا ہو سکتا تھا۔[۱]

---

[۱] یہی وجہ ہے کہ کثرت روایت کی ممانعت کا ثبوت تو عموماً ملتا ہے لیکن مطلقاً روایت حدیث یا انفرادی طور پر کتابت حدیث کی ممانعت نہ خلفا سے ثابت ہے اور نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے، صرف ایک حدیث "قرآن کے سوا مجھ سے کسی نے کچھ لکھا ہو تو مٹا دے" اس سے بعضوں کو خیال گذرا ہے کہ عہدِ نبوت میں کتابتِ حدیث کی ممانعت تھی لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس چیز کے بیان کرنے کی ممانعت نہ تھی، اسی چیز کے لکھنے سے منع کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی، پھر یہ بھی تو غور کرنا چاہئے کہ جب بخاری وغیرہ میں کتابتِ حدیث کی اجازت کی روایت بھی موجود ہے۔ تو دونوں میں تطبیق کی کیا شکل ہوگی۔ کیسے لوگ ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ بکثرت صحابہ سے قرآن کے علاوہ خطوط معاہدہ نامے اور بیسیوں چیزیں لکھوایا کرتے تھے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز رہی ہے، پس لا تکتبوا عنی غیر القرآن (مت لکھا کرو میری طرف سے قرآن کے سوا) کا اگر وہی مطلب ہوتا، جو یہ لوگ اس حدیث سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ تو پھر صحابہ یہ خطوط وغیرہ کیوں لکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے جو میں اس حدیث کو صرف قرآنی اوراق کی حد تک محدود خیال کرتا ہوں۔ اور یہ میرا ذاتی خیال نہیں ہے۔ شرح بخاری اٹھا کر دیکھے علما کی ایک جماعت یہی سمجھتی چلی آئی ہے۔ یعنی بطور تفسیر کے بعض دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لفظ یا فقرہ فرماتے تو بعض لوگ اپنے قرآن میں اسی آیت کے آس پاس ان تفسیری الفاظ و فقرات کو لکھ لیتے، جیسے الصلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر میں العصر کا لفظ فرمایا گیا، بعضوں نے اپنے اپنے قرآن میں لکھ لیا۔ حتیٰ کہ ایک بحث پیدا ہو گئی کہ ان کے قرآن کا یہ لفظ تفسیری ہے یا قرآن کا جز ہے، ظاہر ہے کہ ایک کے سوا جب کسی دوسرے کے نسخے میں یہ لفظ نہ تھا تو یقین کیا گیا کہ یہ تفسیری اضافہ ہے۔ خدانخواستہ اگر شروع ہی میں پیغمبر اس سے منع نہ کر دیتے تو آج صرف ایک والعصر کا قصہ ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا حال ہوتا خصوصاً جب پریس کا زمانہ نہ تھا۔ اصل کو تفسیر سے جدا کرنا آسان نہ تھا، تورات و انجیل وغیرہ میں تحریفات کا ایک سلسلہ اس راہ سے بھی داخل ہوا، پس کھلا ہوا مطلب اس کا یہی ہے کہ قرآنی اوراق پر میرے تفسیری اضافوں کو نہ لکھا کرو۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن جوں جوں زمانہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا، خطرہ کی شدت بھی گھٹتی چلی گئی، اور روایت کا دائرہ بھی اسی نسبت سے وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اگر عمرؓ کے زمانہ میں ہم حدیثوں کو اسی طرح بیان کرتے جیسے اب بیان کرتے ہیں تو وہ اپنے تازیانے سے ہماری خبر لیتے، اگر یہ قول واقعہ میں ان کا ہو بھی، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عمرؓ کے منشار کے خلاف موقعہ پاکر ابوہریرہ یہ عمل کر رہے تھے، اب سوچنے والوں کو کیا کہئے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی جلالتِ قدر سے جو واقف ہیں کیا ایک لمحہ کے لئے اس کا خیال کر سکتے ہیں، بلکہ بات وہی تھی کہ نبوت سے بُعد کافی ہو چکا تھا، جس چیز کا اندیشہ تھا وہ گھٹ رہا تھا تو اب اس پیمانہ پر پرہیز کی ضرورت ہی کیا باقی رہی تھی، اور یہی وہ راز ہے کہ کامل ایک صدی کا فاصلہ درمیان میں جب حائل ہو گیا تب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ حکومت میں مرکزی شہروں کے علمار کے نام فرمان جاری کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و آثار کو اب جمع کیا جائے[۱]۔ اور اس کے بعد تو خدمت

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) آگے کا فقرہ کسی نے لکھا ہو تو "مٹا دے" اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ورنہ حکم کا تعلق اگر حدیث سے ہوتا تو صرف لکھنے کی ممانعت ہوتی، عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان سے اس کی توثیق ہوتی ہے، تدوینِ حدیث کی کتاب میں آپ کو اس کی مفصل بحث ملے گی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] کچھ عجیب قصہ ہے قرآن وحدیث دونوں کے جمع وتدوین کے متعلق روایتوں کے باب میں ایک نکتہ لوگوں کی نگاہ سے کچھ ایسا اوجھل ہو گیا کہ روایتوں میں تطبیق سخت دشوار ہو گئی یعنی انفرادی کام اور حکومت کی جانب سے جو خدمت انجام دلائی گئی۔ دونوں میں جو آسمان و زمین کا فرق ہے اس فرق کو نہ معلوم کیوں پیشِ نظر نہ رکھا گیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآنی سورتوں کو ایک ہی تقطیع کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں جمع کرانے کا کام پہلی دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے زید بن ثابت نے انجام دیا۔ بخاری وغیرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس سے پہلے ایک نہیں متعدد صحابہ اس کام کو انجام دے چکے تھے۔ اسی طرح حدیثوں کے متعلق عام طور پر لکھتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر زہری وغیرہ محدثین نے عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے حدیث کی تدوین کا کام پہلی دفعہ انجام دیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کا جو بازار گرم ہوا، اس کا کیا ٹھکانا ہے جس کی تفصیل کا حقیقی مقام تدوین حدیث کی کتاب ہی ہے، یہاں اتنا اشارہ کافی ہے۔

پس مطالعہ کی قوت کے کم کرانے کا جو منشا تھا وہ بھی اس طریقہ سے پورا ہوا اور قدرتی طور پر ہر زمانہ میں کچھ ایسے اسباب بھی مہیا ہوتے رہے جنہوں نے ضائع ہونے سے اس عظیم سرمایہ کو بھی بچا لیا جس کی بدولت اتباعِ سنت کے تشنہ کاموں کی سیرابی کا ایسا سامان بہم پہنچ گیا کہ محمدی رنگ کو جس پیمانہ پر جس حد تک جس کا جس وقت جی چاہے اپنے ظاہر میں اپنے باطن میں جتنا جی چاہے کھپایا جا سکتا ہے وہ کھا سکتا ہے پی سکتا ہے چل سکتا ہے پھر سکتا ہے، اٹھ سکتا ہے بیٹھ سکتا ہے سو سکتا ہے، جاگ سکتا ہے، ہنس سکتا ہے، رو سکتا ہے، اور کیا بتاؤں کہ اور کیا کیا کر سکتا ہے جس طرح اس کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے وہی جن کا اسوہ اور نمونہ الحمد للہ کہ انسانی زندگی کے تمام ممکنہ شعبوں میں رہنمائی کرنے کے لئے آج دنیا میں ایسی اعتمادی کیفیتوں کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے محفوظ ہے کہ جنہیں

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اور پھر یہ روایتیں بھی بیان کی جاتی ہیں کہ عہد صحابہ بلکہ عہد نبوت ہی میں مختلف صحابیوں نے انفرادی طور پر اپنی اپنی حدیثوں کے لکھنے کے کام انجام دیا تھا۔ دونوں میں تطبیق کا مسئلہ لوگوں کے لئے معمہ بنا ہوا ہے۔ حالانکہ اگر مذکورہ بالا فرق کو سامنے رکھ لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے یعنی حکومت کی جانب سے پہلی دفعہ قرآنی سورتوں کو جمع کرانے کا کام حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانہ میں انجام پایا، یوں ہی حکومت کی جانب سے سو سال بعد عمر بن عبد العزیزؒ کے فرمان سے حدیثوں کو مدوّن کرانے کا کام کیا گیا۔ اور اس سے پہلے جو کام ہوا اس کی حیثیت انفرادی کام کی تھی۔ خاکسار نے تدوینِ قرآن اور تدوین حدیث کے متعلق جو دو الگ الگ کتابیں لکھی ہیں، ان میں آپ کو تفصیلات ملیں گی۔ افسوس ہے کہ پہلی کتاب تو بحمد اللہ مرتب ہو چکی ہے مگر طبع نہیں ہوئی اور دوسری کا صرف ایک حصہ مرتب ہو کر شائع ہو سکا۔ باقی اجزا غیر مرتب حال میں ہیں، اسی لئے ضمناً بعض اہم چیزوں کا میں نے تدوین فقہ ہی کے ذیل میں اسی لئے تذکرہ کر دیا کہ کلی حیثیت سے اجمالاً اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا تو دوں۔ آئندہ اگر حیاتِ مستعار میں کچھ اور مہلت ہوئی، توفیق بخشی گئی تو اصل کتاب میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتماد ہے وہی ہیں بلکہ جو اس اعتماد سے محروم ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ گذرے ہوئے انسانوں میں آج کوئی نہیں ہے جس کے حال پر اتنا اعتماد کیا جا سکتا ہے جتنا اعتماد آنحضرتؐ کی زندگی اور زندگی کے حالات دلوں میں اپنے روایتی خصوصیات کی بنیاد پر پیدا کئے ہوئے ہیں، قوموں اور امتوں کے درمیان مسلمانوں کے محدثین و ارباب روایات و آثار اور ائمہ فقہ و اجتہاد کا یہی وہ بے نظیر کارنامہ ہے جس کی مثال جیسا کہ عرض کر چکا ہوں نہ اگلوں کی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ پچھلوں سے اس کی امید ہے۔

بلکہ ایسی چیزیں جن کے متعلق خبر الخاصہ والی حدیثوں کی راہ سے یا مختلف اجتہادی نقاط نظر کی خصوصیتوں کے زیر اثر بجائے ایک کے متعدد پہلو پیدا ہوتے تھے بتا چکا ہوں کہ ان پہلوؤں میں بھی پسندیدہ ترین شکلوں کو متعین کرنے میں کوشش و کاوش ریسرچ و تحقیق کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا جس میں ظاہر ہے کہ نتیجہ کے لحاظ سے ہر ایک کا ایک ہی نتیجہ تک پہنچنا ضروری نہ تھا اور یہی بنیاد ہے ان اختلافات کی جو اسلامی فقہ کے مختلف مکاتب خیال میں پائے جاتے ہیں۔

لیکن اختلاف جس نے دنیا میں ہمیشہ شر کو پیدا کیا، اب خدا کی اس شان کو کیا کہئے کہ بجائے شر کی پیدائش کے اسلام میں اسی اختلاف کا وجود خیر اور عظیم خیر کی بنیاد بنا ہوا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ ایک تو یوں بھی اس خاص طرزِ عمل کے اختیار کرنے کی وجہ سے خبر الخاصہ والی حدیثوں اور اجتہادی مسائل میں تفصیلی طریقہ نہ اختیار کرکے جیسا کہ گذر چکا مسلمانوں پر جو مطالبات ان کی راہوں سے عائد ہوتے ہیں، ان میں عمداً اور قصداً نرمی اور خفت پیدا ہو ہی چکی تھی، لیکن اسی کے ساتھ بجائے اتفاق کے جن مسائل میں اختلاف پیدا ہوا، سب جانتے ہیں کہ اس اختلاف کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی "نظریہ مراعاۃ الخلاف" کے مشہور قانون کی بنیاد پر گرفت کی نوعیت خود بخود ڈھیلی پڑ جاتی ہے، اور یہ کھلی ہوئی فطری بات ہے یعنی ایسا مسئلہ جس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو، یقیناً اس کے مطالبہ کی قوت کا وہ مسئلہ مقابلہ نہیں کر سکتا جس میں ان ائمہ کی رائیں مختلف ہیں، فقہی کاروبار سے جنھیں تعلق نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکتے، لیکن مشکلات میں مبتلا ہونے والوں کی جو دستگیریاں "مراعات الخلاف" کے اس نظریہ سے آئے دن ہوتی رہتی ہیں، انھیں آج کون گن سکتا ہے، مالکی مذہب کی کتاب "الموافقات" میرے سامنے ہے صفحہ ۲۰۲ جلد چہارم میں ایک نہیں متعدد مثالیں اس مالکی عالم نے اس بات کی دی ہیں کہ ایک عورت مہر سے یا شوہر کی میراث سے مالکی فتویٰ کی رو سے محروم ہو رہی تھی، لیکن صرف اس لئے کہ محرومی کی بنیاد جس مسئلہ پر قائم ہے وہ اتفاقی نہیں بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے مالکیوں کو بھی امام ابوحنیفہؒ کے اس اختلاف کی رعایت کرنی پڑی اور جو حق اس عورت کا کھویا گیا تھا محض اسی نظریہ مراعاۃ الخلاف کی بنیاد پر اسے دلا دیا گیا۔ اور ایک نکاح ہی نہیں بیع و فروخت، اجارہ حتیٰ کہ عبادات تک میں اس اختلاف کا فائدہ مسلمانوں کو ہمیشہ پہنچتا رہا، الشاطبی لکھتے ہیں۔

ومثلہ جار فی عقود البیع وغیرھا فلا یعاملون الفاسد المختلف فی فسادہ معاملۃ المتفق علی فسادہ (ج ۴ ص ۱۵۰)	اور مراعاۃ الاختلافات کا یہ قاعدہ خرید و فروخت کے معاملات اور اس کے سوا دوسرے ابواب میں بھی جاری ہوتا ہے، علماء کا قاعدہ ہے کہ ایسا معاملہ جس کے فساد میں اختلاف ہو اس کے ساتھ وہ طریقہ عمل اختیار نہیں کرتے جس کے فساد پر اتفاق ہو۔

اور یہ پہلی برکت ہے جو مسلمانوں کو ان مسائل کے اختلافات سے برابر پہنچتی رہی ہے، کتنے نمازیوں کی نمازیں اور کتنے روزہ داروں کے روزے آئے دن اسی قاعدے کے تحت درست ہوتے رہتے ہیں۔

پھر اسی کے ساتھ اگر اس پر بھی غور کیا جائے کہ ائمہ کے ان ہی اختلافات کا نتیجہ ہے کہ اپنے عالمگیر پیغام ایسے عالمگیر پیغام ہونے میں اسلام کو جو اپنے سامنے کھلا ہوا وسیع میدان ملا کہ وہ بآسانی ان پر بھی منطبق ہو رہا ہے جو منطقہ حارہ کے نیچے رہتے ہیں اور ان کی زندگیوں پر بھی وہ بخوبی چپاں ہو گیا جو منطقہ باردہ کے متوطن ہیں، وہ ان لوگوں کا بھی دینی آئین بنا ہوا ہے جو مشرق کے آخری کناروں میں آباد ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی مذہبی دستور العمل بننے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی جو مغربی برفستانوں کے باشندے ہیں

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com